سرمایہ دار کی تجوری اور غریب کا پیٹ

تحریر: سہیل احمد لون

قرآن میں اللہ فرماتا ہے: ”اے ایمان والو!تم پر رمضان کے روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلی قوموں پر فرض کیے گئے تا کہ تم پرہیز گار اور متقی بن سکو“۔اس فرمان باری تعالی کی روشنی میں روز کے فصیلت اور اللہ کے ہاں روز کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔اللہ نے جب انسانوں پر روزے فرض کیے تو اللہ چاہتا تھا اور چاہتا ہے کہ ہم روز کے زریعے پرہیز گاری اور متقی بن سکیں۔یہی مقصود باری تعالیٰ ہے اور اگر انسان روزہ رکھنے کے بعد بھی پرہیز گار اور متقی نہیں بنتا تو یقیناً وہ اُس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اللہ رب العزت نے مقرر فرمایا ہے۔ رمضان میں ہماری زندگی کے تمام امور میں ایک واضح تبدیلی آتی ہے۔جسے ہمارے علاوہ دیگر مذاہب کے لوگ بھی محسوس کرتے ہیں۔مسلم اکثریت والے ممالک میں تو یہ تبدیلی معمول کا حصہ محسوس ہوتی ہے مگر جہاں مسلمان اکثریت میں نہ ہوں وہاں بعض اوقات دیگر مذاہب کے افراد کے لیے سحری کے وقت اٹھ کر روزہ رکھنا اور سارا دن کھائے پیئے بغیر کام کرنا حیرانگی کا باعث ہوتا ہے اور ان کے ذہنوں میں کئی سوالات جنم لیتے ہیں۔

رمضان کے آغاز میں میرے ساتھ کام کرنے والے چند برطانوی ساتھیوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم اتنی صبح اٹھ کر کیسے کھا لیتے ہیں؟ کیونکہ اتنی صبح تو زیادہ کھایا بھی نہیں جاتا اور پھر ہم سارا دن بھوکے پیاسے گزار کیسے کر لیتے ہیں؟میرے جواب دینے سے پہلے ایک نے کہا کہ ہم میں صبر اور برداشت کا مادہ بہت زیادہ ہے۔ورنہ انسان 18 گھنٹے کچھ کھائے پیئے بغیر نہیں گزار سکتا اور وہ بھی اس وقت جب ہر چیز میسر بھی ہو۔اُن سے بات چیت کا سلسلہ تو خیر معمول کی بات ہے لیکن میرے ذہن میں اپنی عوام کا خیال آیا جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے نماز کے بعد سب زیادہ اہتمام ”روزہ“ کا کرتے ہیں۔مگر ان کے حالات برطانیہ سے کہیں مختلف ہیں کہ یہاں سحری، افطاری، اور تراویح کے دوران کبھی لوڈشیڈنگ کا عذاب نازل نہیں ہوتا اور نہ ہی سجدے کے دوران نظریں دروازوں کی طرف ہوتی ہیں۔یہاں اگر کوئی خوف ہے تو صرف اللہ رب العزت کا۔رمضان شروع ہوتے ہی لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بھی ضروریات زندگی کی طرح اتنا بڑھا دیا ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ادھر سے تاتاری لشکر کا گزر ہوا ہے۔اوپر نیچے رکھی لاشیں کھوپڑیوں کے مینار کی یاد دلا رہی ہیں۔واقعی ہماری عوام میں ہمت،حوصلہ اور برداشت قابل دید ہے۔جس شرح سے بجلی کے نرخ بڑھائے جاتے ہیں اسی تناسب سے لوڈشیڈنگ کا دورانیہ بھی بڑھایا جاتا ہے۔ستم ظریفی یہ ہے کہ اس کا بھاری بل ادا کرنے کے لیے کڑکتی دھوپ میں قطار میں کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ہماری عوام بڑے حوصلے اور برداشت سے بل بھی باقاعدگی سے ادا کرتی ہے۔برداشت اور حوصلے کا جو اعلیٰ میعار پاکستانی قوم میں پایا جاتا ہے اس کی مثال دنیا میں کسی اور قوم میں نہیں ملتی لیکن شاید اس میں ہمارا کوئی کمال نہیں یہ سب کچھ تو ہمیں وراثت میں ملا اور پھر آہستہ آہستہ ہمارے خون میں ہی شامل ہو گیا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے ہماری غیرت تک کو نگل لیا ہے۔اب تو ہم کو مشکل نہ

پڑے تو مشکل میں پڑ جاتے ہیں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے کچھ دیر بعد ہمیں محبوب قائد کی جدائی کو برداشت کرنا پڑا۔ اس کے بعد قائد ملت کی شہادت کے سانحے کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا۔ پھر سقوط ڈھاکہ جیسے بڑے دھچکے کو بڑے حوصلے سے ہضم کیا۔ قیام پاکستان کے وقت پورے ملک میں کے انگریزوں کا بچھایا ہوا ریلوے ٹریک اور اس وقت کی ایشیا کی سب سے بڑی ریلوے ورکشاپ حصے میں آئی۔ چار دہائیوں تک ریلوے کو پاکستان کا سب سے بڑا قومی ادارہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ یقیناً ہمارے ساتھ ساتھ انگریزوں کے شکر گزار گھوڑے، گدھے، خچر، اونٹ اور بیل بھی ہونگے۔ کیونکہ اگر انگریز ریلوے کا یہ وسیع و عریض نظام ہمارے خطے میں متعارف نہ کرواتے تو آج بھی ہمارے لیے یہ جانور مال برداری اور نقل و حمل کے کاموں میں ہمارا ساتھ دے رہے ہوتے۔ ریلوے ساری دنیا میں ایسا ادارہ ہوتا ہے جس سے عوام براہ راست فائدہ اٹھاتے ہیں مگر ہماری اس عوامی سواری کا حال ایسا بے حال کیا گیا ہے کہ اب ادارے کو خسارے کی ایک علامت سمجھا جانے لگا ہے۔ مگر ہماری عوام اس سہولت سے محروم ہو کر بھی باحوصلہ اور برداشت کی تو کوئی مثال ہی نہیں ہے۔ ریلوے کا سفر چاہے suffer بن جائے پھر بھی اس کو برداشت کرتے جانا ہی پاکستانیت ہے۔ موجودہ دور میں واپڈا سب سے بڑا قومی ادارہ ہونے کا دعویدار ہے اور اب یہ بھی ریلوے کے نقش قدم چلنا شروع ہو گیا ہے۔ اس محکمے میں بھی ریلوے کی طرح چور اور چوکیدار میں کوئی فرق نہیں رہا۔ مگر ہماری عوام اس کا بھی بیڑہ غرق ہوتے بڑے حوصلے سے دیکھ رہی ہے۔ پاکستان اسٹیل ملز جس کے فرنس کی آگ ہر چیز کو کھا جاتی تھی۔ اس کو چند ''لوہا خوروں'' نے ایسا ہڑپ کیا ہے کہ ڈکار کی آواز بھی سنائی نہیں دی۔ ہماری عوام ظلم و زیادتی کی اس آگ میں سونے سے کندن بنتے جا رہے ہیں۔ آفرین ہے اس قوم پر جس کی زبان پر کبھی شکوہ یا شکایت تک نہیں آئی۔ یہ تو بس کسی کو بھی صبر اور برداشت میں اپنا ثانی بنانا نہیں چاہتے۔ یہ تو ایک ماہ کا رمضان ہے اب تو اتنے پکے ہو گئے ہیں کہ سارا سال بھی روزے رہیں تو ان کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ۱۹۸۷ء کے بوہڑی بازار کے بم دھماکے کے بعد بھی نہ رکنے والا بم دھماکوں یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ جس میں ان گنت قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا۔ ٹارگٹ کلنگ ہے کہ ''ہوس'' کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ قدرتی آفات نے کئی بار ہم کو جھنجھوڑ کر باخبر کیا لیکن ہماری قوم صبر و برداشت اور غفلت کی نیند سے بیدار نہ ہوئی۔ کبھی رائمنڈ ڈیوس قتل و غارت کا بازار گرم کرنے کے بعد عزت سے اپنے ملک روانہ کیا گیا تو کبھی عافیہ اور اس جیسے ہزاروں افراد کو امریکہ کے حوالے کیا گیا۔ مگر مجال ہے کہ ہمارے حوصلے اور برداشت نے کبھی جواب دیا ہو...... ! ڈرون اور خودکش حملہ آوروں کے ہاتھوں لاشوں کے ڈھیر لگتے رہے ، ہماری عوام اس کو بھی اپنی قسمت سمجھ کر برداشت کرتی رہی۔ مہنگائی کا جن دن میں کئی بار اپنی مکروہ صورت دکھاتا ہے مگر ہمارے حوصلے کا قد آج تک اس جن سے چھوٹا نہ ہو سکا۔ ایک طرف تو برداشت کے وسیع سمندر میں ظلم و ستم، جبر و بربریت، ناانصافی، چور بازاری، دہشت گردی اور زیادتی کی کئی داستانیں اس میں غرق چکی ہیں اور دوسری طرف جہاں برداشت اور حوصلے سے کام لینا دانشمندی اور فرض ہوتا ہے وہاں ہمارا غصہ ، جلال، غیرت حوصلے اور برداشت پر غالب آ جاتا ہے۔ آج ہمارے بہت سے معاشرتی مسائل حوصلے اور برداشت کی کمی سے پیدا ہو رہے ہیں۔ ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے سے ہم فرقوں ، طبقوں اور گروہوں میں تقسیم ہو کر نفاق کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ بچے، بڑوں کی نوک جھونک چاہے وہ اصلاح کے لیے ہو برداشت نہیں کرتے۔ بڑے

چھوٹوں کی جدید سوچ اور انداز کو برداشت نہیں کرتے۔ دوسروں کو تنقید کرنا سب سے آسان کام ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کے لیے تو سب سے باعث تسکین کام ہی تنقید ہوتا ہے۔تنقید برداشت کرنے کے لیے بھی حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ہم اکثر تعمیری تنقید جو ہماری اصلاح کے لیے کی جائے وہ بھی برداشت نہیں کرتے۔ حالانکہ آج کی ترقی یافتہ قوموں کی ترقی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ ان کے مفکرین نے اپنی قوم پر بے رحم تنقید کی اور ان کی روشنی میں اپنی قوم کی بے راہ روی کے اسباب کی نشان دہی کر کے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا خاتمہ کیا۔ چنانچہ آج ان کا شمار ترقی یافتہ قوموں میں ہوتا ہے۔زندہ قوموں کی چند خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماضی اور حال پر تنقید کرتی رہتی ہیں۔تنقید کرنے کا شوق ہر انسان کو ہوتا ہے لیکن عموماً ایک فرد دوسرے فرد یا افراد پر تنقید کر کے خوش ہوتا ہے، ایک قوم دوسری قوم پر تنقید کر کے خوش ہوتی ہے لیکن بہترین اور سب سے مفید تنقید وہ ہے جو دوسروں پر نہیں اپنے آپ پر اور اپنی قوم پر کی جائے۔ دوسروں کا محاسبہ کرنے کے ساتھ ساتھ خود اپنی قوم کا محاسبہ بھی کیا جائے۔ظاہر ہے کہ اپنی ذات کو نشانہ بنانا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔لیکن کسی قوم کے ذہنی طور پر ''بالغ'' ہونے کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو، اپنے ماضی اور حال کو تنقید کا موضوع بناتی ہیں کہ ارتقاء کا عمل اس کے بغیر خوبصورتی سے آگے نہیں بڑھتا۔رمضان کا مہینہ اپنی تمام تر برکات کے ساتھ عروج پر ہے۔ رحمتِ خداوندی کا نزول حاض وعام کیلئے یکساں ہے لیکن وطن عزیز سے آنے والی اطلاعات اتنی خوش کن نہیں ہیں۔ روزہ اس برس بھی ہمیں پرہیز گار اور متقی نہیں بنا سکا (حقیقی پرہیز گاروں اور متقیوں کو الگ کر کے کیونکہ وہ تمام سال بھر اسی حالت میں رہتے ہیں) جعلی جمعہ بازار، جعلی کمیٹیاں، جعلی چھاپے ، مصنوعی مہنگائی، پرائز کنٹرول کمیٹیوں کی عدم دستیابی اور ہر بازار میں پنجاب اور پاکستان کے پرہیز گاروں کی لگی فلیکسیں بتا رہی ہیں کہ یہ سال بھی گزشتہ سال کے حرام خور منافع خوروں اور اُن کی پشت پناہی کرنے والوں کے کی نگرانی میں ہی گزر رہا ہے۔اللہ ہم سب کو معاف فرمائے، بس ایک دوسرے کا خیال رکھیں کیونکہ سرمایہ دار کی تجوری اور غریب کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا خواہ رمضان ہو یا محرم!

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

25-06-2015

sohailloun@gmail.com